اکیسویں صدی میں درپیش چیلنجز اور ان کا حل:

علم الاقتصاد کے حوالے سے

Dr. Sobia Aslam
Assistant Professor, M.Sc Economics
Govt. College of University,
Faisalabad

Abstract

Iqbal's 1st prose book "Ilam-ul-Iqtisad" was published in 1903, the same is placed in Allama Iqbal Museum, Lahore, which is not much popular as to be. Perhaps, Iqbal himself had not considered this book as important contribution, but in the present situation of current era, the mankind has faced international market shrinkage in the global world. The West has set their own principles in economics and pushed back developing countries as far as it possible. In the present situation "Ilam-ul-Iqtisad" is a considerable work of Iqbal on economics, which divided into five parts including further sub-divisions to cover all kind of subjects relating to the economics and number of scholars like Anwar Iqbal Qureshi, Mushfiq Khawaja, Rafiuddin Hashmi, Prof. Muhammad Usman, Dr. Saleem Akhtar, Dr. Malik Hassan Akhtar, Dr. Saddique Javed, Zaib un Nisa, have contributed a critic note on this book. In this article, the author tried at her level best to present a paper under the title of "The Challenges faced the mankind and its solutions in 21st Century with the special reference of Ilam-ul-Iqtisad ."

Keywords: Ilam-ul-Iqtisad, 1st Prose Book of Iqbal, Economics, Market Shrinkage, Globalization, Critic, Results

علامہ اقبال کی اقتصادیات پر نثر کی پہلی کتاب 'علم الاقتصاد' ۱۹۰۳ء میں چھپی۔ اگرچہ علامہ کی زندگی میں شاعری مقدم رہی، مگر علامہ نے بھی شاعری پر توجہ کے بعد اس کتاب کو کوئی خاص اہمیت نہ دی۔ مگر اس وقت یعنی ۱۹۰۳ء میں لکھی گئی اس کتاب کے مضامین کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ علامہ اقبال نے پروفیسر آرنلڈ کی تحریک پر 'علم الاقتصاد' جسے لالہ جیا رام پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اور علامہ کے ہم جماعت مسٹر فضل حسین بیرسٹر ایٹ لاء اور مولانا شبلی نعمانی کے مشوروں سے لکھی۔(۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ علم اکنامکس (معاشیات) آج اپنی ترقی یافتہ شکل میں موجود ہے۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ جس وقت یہ کتاب لکھی گئی اس وقت کے حالات معاشیات سے مطابقت رکھتے تھے یا نہیں؟ اس کتاب کی وجہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ علامہ کی سوچ معاشرہ اور معاشیات کے بارے میں کیا تھی۔ سب سے پہلے تو پتہ چلتا ہے کہ علامہ نے لوگوں کے دکھوں، افلاس کا عالم تقسیم ہند سے قبل دیکھااور محسوس کیا اور علامہ کی شدید خواہش تھی کہ یہ درد ناک افلاس کسی طرح ختم ہو جائے اور ہر کوئی مفلسی کے عذاب سے چھٹکارا پا جائے۔ اسی سوال کو علامہ نے قائد اعظم کے نام ایک خط میں دہرایا اور 'جاوید نامہ' میں اس کا جواب خود دینے کی سعی بھی کی۔ جہاں وہ ایک خیالی شہر مرغدین کی سیر کے دوران بتاتے ہیں کہ وہاں گداگر کوئی نہ تھا، غریب کوئی نہ تھا۔ معاشی حالات کی وجہ سے فلسفے اور عربی کے ایک طالب علم کو اقتصادیات کی کتاب لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اقتصادیات پر لکھی گئی دیگر کتب میں شاید یہ واحد کتاب ہوگی جو عوامی مفلسی کو مدنظر رکھ کر ایک درد مند دل سے لکھی گئی۔ اسی کتاب سے علامہ کے خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے کہ وہ جنگ و جدل کا مقصد صرف اور صرف دولت کا حصول سمجھتے تھے اور امن و امان سے رہنے کی بات ہمیشہ کرتے۔ امن کی اس خواہش کا اظہار ہمیں 'بانگ درا' کی پہلی نظموں میں ملتا ہے جو اسی دور میں لکھی گئی تھیں اور پندرہ ، سولہ سال بعد 'اسرار و رموز' اور پھر ۱۲، ۱۳ سال بعد 'جاوید نامہ' میں چھپیں۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں علامہ نے زمین کے بارے آج سے تقریباً ۱۱۵ سال قبل اس بات پر زور دیا تھا کہ یہ عطیہ خداوندی ہے کہ ان کی ضرورتیں کسی نہ کسی طرح وسائل کے مناسب استعمال سے پوری ہو جاتی ہیں۔ یہی سوچ بڑھتی بڑھتی عقیدے کے ساتھ پیوست ہوئی تو یہ نتیجہ نکلا کہ علامہ ذاتی ملکیت کے خلاف ہو گئے۔ اگرچہ علم الاقتصاد میں واضح طور پر تو عقیدہ نظر نہیں آتا، مگر کسی حد تک اسی طرف رجحان ضرور ملتا ہے اور اس کتاب کی چوتھی تقسیم میں دولت کی پیداوار اور اس کے حصہ داران کی بنیاد بھی اسی بات پر رکھتے ہیں۔

شروع شروع میں ذاتی ملکیت کا کوئی تصور موجود نہ تھا، ہر چیز ہر کسی کی ملکیت تھی اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ چیز میری

ہے، نہ کہیں بھوک تھی اور نہ چوری چکاری۔ علامہ اس مشارکت کی زندگی کو امن و امان کی زندگی لکھتے ہیں اور اپنی مشہور نظم 'ھمالہ' میں انہی ایام کی طرف لوٹنے کی بات کرتے ہیں اور دیگر مفکران کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انسانی رہتل کی یہی شکل سب سے اچھی ہے۔ نظام قدرت میں ہر انسان برابر کا درجہ رکھتا ہے اور شخصی جائیداد ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ اس تقسیم کے چوتھے باب کے آخر میں دست کار ، ہنر مند کی بات کرتے ہیں جن کی محنت سے پیداوار میں اضافہ دستکاروں کا حق ہے۔ یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ آج سے ۱۱۵ سال پہلے پیداوار کا زیادہ تر حصہ دست کاروں کا مرہون منت تھا۔ دست کاروں کے منافع میں زمینداروں، ساہو کاروں اور کارخانہ داروں کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔ مزدور کے حقوق کی بات سب سے پہلے علامہ نے اسی کتاب میں کی ہے اور مزدور کو دولت آفریں لکھا ہے۔ سرمایہ اور سرمایہ دار کے بارے میں علامہ اقبال کی سوچ تھوڑی منتشر ہے۔

کتاب کی تیسری تقسیم کے چوتھے باب میں علامہ لکھتے ہیں کہ مالکان اور کارخانہ داران کا وجود سرمائے اور محنت کا مناسب کنٹرول اسی قدر ضروری ہے جس قدر فوج کے لئے سپہ سالار کا ہونا۔ مگر اسی سوچ میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی آتی رہی۔ بالکل اسی طرح سود کے بارے میں ان کی سوچ وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی کیونکہ ان کے نزدیک کوئی خیال یا مذہب انسانی رہتل کے حالات اور اس کی عقلی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی نہ کر سکیں تو وہ بشری تقاضوں کے خلاف ہوگا اور مٹ جائے گا۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ روسی اشتراکی نظام کا ذکر پاکستان و ہند میں بالکل نہیں ملتا۔ اس کتاب میں انگریزی راج کے ساتھ اس نفرت کا اظہار دیکھنے میں نہیں آیا جو بعد میں ہمیں کہیں کہیں ملتا ہے۔ جس طرح وہ آہستہ آہستہ واکر سے مارکس اور لینن تک پہنچ گئے۔ اسی طرح مطالعہ مشاہدہ ان کو انگریز کے خلاف کرتا گیا۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کے خاتمے والے باب میں ہے۔ جہاں علامہ اقبال نے لکھا ہے، جسے شریف کنجاہی نے پنجابی کا روپ اس طرح دیا ہے:

"اج دے زمانے نوں اک اجیہے فلسفی دی ضرورت محسوس ہو رہی اے جیہڑا دولت صرف کرن دے اوہناں طریقیاں نوں جانن دسن دی گل کرے جنہاں نال تمدن دی تانی پئی اُنی جا سکدی اے۔ میں سمجھیاں جے ایہہ اوہ غیبی اشارہ سی جیہڑا ایس کتاب دے مصنف نوں ملیا تے جس نوں جاوید نامے وچ مکمل کر کے دنیا دے سامنے رکھ دتا گیا سی۔"(۲)

صدیق جاوید نے 'علم الاقتصاد' کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"علم الاقتصاد اگر ایک درسی کتاب تھی اور کس تعلیمی درجے یا سطح کے لئے تیار کی گئی تھی؟ کیا یہ کتاب کہیں باقاعدہ اور باضابطہ طریقے سے درسی کتاب کے طور پر پڑھائی گئی یا یہ افادہ عام کے لئے پولیٹیکل اکانومی کے موضوع پر ایک عام کتاب تھی؟ راقم الحروف کا قیاس ہے کہ ۱۹۰۳ء میں انجمن ترقی اردو حیدرآباد کے قیام کے ساتھ ترویج اردو کے لئے اردو میں علمی موضوعات پر کتابوں کی اشاعت کا کوئی منصوبہ انجمن کے سیکرٹری مولانا شبلی کے پیش نظر رہا ہوگا اور پروفیسر ٹامس آرنلڈ کی مشورت سے اقبال کو علم الاقتصاد کے موضوع پر کتاب تیار کرنے کے لئے آمادہ کیا ہوگا۔ محض زبان کی اصلاح کے لئے شبلی کو مسودہ بھیجنے کی کوئی ایسی ضرورت نظر نہیں آتی۔ اقبالیات کے محققین اور یاران نکتہ داں متذکرہ موضوع پر داد تحقیق دے سکتے ہیں۔(۳)

صدیق جاوید صاحب علامہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"انسان کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جو قومیں اپنے تمدنی اور اقتصادی حالات سے غافل رہی ہیں ان کا حشر کیا ہوا ہے۔ ابھی حال میں مہاراجہ بڑودہ نے اپنی ایک گراں بہا تقریر میں فرمایا تھا کہ اپنی موجودہ اقتصادی حالت کو سنوارنا ہماری تمام بیماریوں کا آخری نسخہ ہے اور اگر یہ نسخہ استعمال نہ کیا گیا تو ہماری بربادی یقینی ہے۔"(۴)

تحفظ تجارت (Protection) کے معاملے میں شیخ محمد اقبال صاحب رانا ڈے مرحوم اور مسٹر جی سلبرمینا آئر کے ہم زبان ہیں۔ ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

"زمین کے اس خاصے کے بنا پر بعض لوگ کہتے ہیں ہندوستان چونکہ صنعتی ملک نہیں ہے اس لیے یہ غیر ممالک کے لئے ایک قسم کا ذخیرہ بن گیا ہے ، جہاں سے وہ اپنے صنعتی کارخانوں کے لئے مصالح حاصل کرتے ہیں اور پھر اس مصالح کو اپنی دستکاری کے عمل سے نئی نئی مصنوعات کی صورت میں تبدیل کر کے دیگر ممالک اور ہندوستان میں بھیج کر بے انتہا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں چونکہ قانون تعتیل کے روکنے کے اسباب بہت قلیل ہیں لہذا جو اشیاء ہندوستان میں دیگر ممالک سے آتی ہیں ان پر قانوناً بہت سا محصول لگنا چاہئے جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دیگر ممالک کے تاجر اپنی صنعتی اشیاء اس ملک میں نہ بیچ سکیں گے اور اگر بیچیں گے تو ان کو کچھ فائدے

کی توقع نہ ہوگی کیونکہ زیادہ محصول کی وجہ سے ان اشیاء کی قیمت گراں ہو جائے گی اور یہاں کے لوگ ان کو خریدنے سے باز رہیں گے۔ اس طرح ہم کو اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے خود اپنا محتاج ہونا پڑے گا اور ہماری صنعت کو ترقی ہوگی۔ اس طریق عمل کو حفاظت تجارت یا تامین تجارت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔"(۵)

ممتاز حسن ڈاکٹر انور اقبال قریشی کے حوالے سے لکھتے ہیں اقبال کی ہر تصنیف نہ صرف اپنے زمانے کا ایک غیر معمولی کارنامہ تھی بلکہ آج بھی اس کی افادیت ایک بڑی حد تک یہ ہے کہ اس کتاب نے اردو زبان میں جدید معاشیات کے متعلق الفاظ فراہم کئے۔ اگرچہ اقبال کو زندگی بھر معاشیات سے دلچسپی رہی، لیکن انہیں اس موضوع سے وہ تعلق پیدا نہ ہو اجو شعر، فلسفہ سیاست اور قانون دانی سے تھا۔

"نفس مضمون کے اعتبار سے مجھے اس کتاب کے دو موضوعات کا تذکرہ کرنا ہے۔ اوّل یہ کہ اقبال نے قومی تعلیم کو معاشی ترقی اور ملکی پیداوار کی افزائش کا لازمی وسیلہ قرار دیا ہے اور یہ وہ نکتہ ہے جو اکثر ماہرین اقتصادیات کی نگاہوں سے اوجھل رہا ہے۔ ذاتی طور پر مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تعلیم اور اقتصادی ترقی لازم و ملزوم ہیں اور جب تک کسی ملک میں قومی تعلیم پورے طور پر عام نہ ہو وہ ملک کما حقہ اقتصادی ترقی نہیں کر سکتا۔"(۶)

دوسرا مسئلہ آبادی کے کنٹرول کے بارے خاندانی منصوبہ بندی۔ یہ مسئلہ پاکستان و ہند میں ہمیشہ سے موجود رہا، مگر ماہرین اقتصادیات نے اس پر توجہ نہ دی۔ اقبال آج سے ۱۰۵ سال قبل ان دونوں بنیادی عوامل کو معیشت کی بنیاد سمجھتے تھے۔ ۱۹۱۰ء میں انہوں نے علی گڑھ میں 'ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر' کے عنوان سے جو لیکچر دیا اس میں فرمایا:

"سب سے زیادہ اہم عقدہ اس مسلمان کے سامنے جو قومی کام کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنا چاہتا ہے، یہ ہے کہ وہ کیونکر اپنی قوم کی اقتصادی حالت کو سدھارے۔ اس کا یہ فرض ہے کہ ہندوستان کی عام اقتصادی حالت پر نظر غائر ڈال کر ان اسباب کا پتہ لگائے جنہوں نے ملک کی یہ حالت کر دی ہے۔ اس کا یہ فرض ہے کہ کسی اور مسئلہ پر غور کرنے سے پہلے یہ دریافت کرے کہ ملک کی حالت میں کس حد تک ان بڑی بڑی اقتصادی قوتوں نے حصہ لیا ہے جو آج کل کی دنیا میں اپنا عمل کر رہی ہیں۔ کس حد تک اہل ملک کی تاریخی روایات، عادات، اوہام اور اخلاقی کمزوریوں نے حصہ لیا اور اگر گورنمنٹ کے طرز عمل کا بھی کوئی حصہ ہے تو وہ کس حد تک ہے۔ شرح مالگذاری میں آئے دن کا اضافہ، مسکرات ممالک غیر کی اس ملک میں درآمد، قیمت اجناس کی گرانی کا باعث ممکن ہے یہ ہو کہ سکہ رائج الوقت کے متعلق حکومت کے قائم کئے ہوئے اصول غلط ہیں یا یہ کہ ایک زراعتی ملک اور ایک صنعتی ملک کے درمیان آزادی تجارت کا سلسلہ قائم کر دیا گیا یا کوئی اور سبب ہو۔"(۷)

دسمبر ۱۹۳۰ء والے الہ آباد کے خطبہ صدارت میں جہاں انہوں نے پاکستان کا تصور پہلی مرتبہ دنیا کے سامنے پیش کیا، انہوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور مقروضیت کا تذکرہ کیا۔ اسی طرح مارچ ۱۹۳۲ء والے لاہور کے خطبہ صدارت میں انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمان نوجوانوں کی انجمنیں اس غرض کے لئے قائم کی جائیں کہ وہ اور باتوں کے علاوہ تجارت اور کاروبار کے میدان میں تنظیم کے لئے جدوجہد کریں اور دیہات میں مسلمان کاشتکاروں کی اقتصادی بدحالی اور مقروضیت کے ازالے کے لئے ایک تبلیغی مہم چلائیں۔ جس زمانے میں اقبال پنجاب Legislative کونسل کے ممبر تھے انہوں نے صوبائی میزانیہ پر وقتاً فوقتاً تقریریں کیں۔ مجملہ اور تجویزوں کے ان کی ایک تجویز یہ تھی کہ جن کاشتکاروں کی آمدنی ایک خاص حد سے کم ہو، انہیں انکم ٹیکس کی طرح لگان میں رعایت دی جائے یا اس سے معافی دی جائے۔ اقبال کی اس تجویز پر پنجاب Legislative کونسل نے توجہ نہیں کی مگر آج کل یہی مسئلہ ہمارے لئے اہمیت اختیار کر چکا ہے اور پاکستان کے اندر اور باہر اقبال کے ہم خیال موجود ہیں۔(۸)

زندگی کا راز کیا ہے ؟ سلطنت کیا چیز ہے ؟
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش ؟

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوۃ
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات(۹)

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
ظاہر ہیں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات
بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ ؟
دنیا ہے تری منتظر روز مکافات(۱۰)

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو(۱۱)

اقبال کو اواخر عمر میں مسلمانوں کے افلاس اور اقتصادی زبوں حالی کا کس قدر شدید احساس تھا اس کا اندازہ کرنا ہو تو اس خط و کتابت کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو اقبال اور جناح کے مابین ہوئی۔ اقبال، جناح کو ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"روٹی کا مسئلہ دن بدن زیادہ سخت ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کو یہ احساس ہو رہا ہے کہ پچھلے دو سو سال سے ان کی معاشی حالت برابر گرتی جا رہی ہے۔ عام طور پر ان کا یہ خیال ہے کہ ان کا افلاس ہندو سود خواروں اور سرمایہ داروں کی بدولت ہے۔ ابھی انہیں یہ محسوس نہیں ہوا کہ ان کے افلاس میں بیرونی استعمار کا بھی برابر کا دخل ہے مگر یہ احساس پیدا ہو کر رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس اور ناداری کے مسئلے کا کیا حل نکالا جائے۔ مسلم لیگ کے مستقبل کا انحصار تمام تر اسی پر ہے کہ وہ اس مسئلے کا کیا حل پیش کرتی ہے۔"(۱۲)

انور اقبال قریشی ٹاؤسگ، مارشل اور واکر سے استفادہ کے بارے میں مقدمہ علم الاقتصاد میں لکھتے ہیں:

"میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی جب مجھے پتہ چلا کہ 'علم الاقتصاد' ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی اور اقبال ۱۹۰۵ء میں انگلستان گئے۔ اس وقت تک تو ٹاؤسگ کی کتاب شائع ہی نہیں ہوئی تھی اور مارشل کے لیکچروں سے متاثر ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ اقبال نے معاشیات کی کوئی باقاعدہ تعلیم بھی حاصل نہیں کی تھی۔ اگر اس وقت انہوں نے کالج میں اس مضمون میں تعلیم حاصل کی بھی ہوتی تو اس سے چنداں فائدہ پہنچنے کی صورت نہ تھی۔ کیونکہ پہلی جنگ عظیم سے قبل نہ تو اس مضمون پر زیادہ کتابیں تھیں اور نہ ہی اس کا معیار تعلیم، کم سے کم پنجاب کے کالجوں کی حد تک، چنداں تسلی بخش نہ تھا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۳ء میں اردو میں تو کیا انگریزی میں بھی معاشیات پر کسی ہندوستانی کی لکھی ہوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اردو میں معاشیات پر پہلی تصنیف الیاس برنی مرحوم کی کتاب 'علم المعیشت' ہے جسے ۱۹۱۶ء میں انجمن ترقی اردو نے شائع کیا تھا۔ اسی زمانے میں حیدرآباد میں دار الترجمہ قائم ہوا۔ اردو میں علمی اصطلاحات وضع ہونے لگیں اور جامعہ عثمانیہ کے قیام سے اردو میں معاشیات پر بھی مطبوعات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان حالات میں کیا بلحاظ زبان اور کیا بلحاظ اصطلاحات اور نفس مضمون 'علم الاقتصاد' ایک خاص مقام رکھتی ہے۔"(۱۳)

اس زمانے کے لحاظ سے یہ ایک نہایت قابل قدر علمی کارنامہ تھا اور اس وقت علم المعیشت کی تعلیم انگریزی زبان میں بھی بہت معمولی درجہ رکھتی تھی اور اس مضمون کے جاننے والوں کی تعداد نہایت محدود تھی۔ اردو میں ایک ایسی کتاب لکھنا جو اس مشکل مضمون کو عام فہم الفاظ میں بیان کرکے عوام کے لئے ایک نیا علمی ذخیرہ مہیا کر دے، ایک انتہائی قابل قدر کوشش تھی۔ جس کی اہمیت اور افادیت آج بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد میری رائے تو یہ ہے کہ اقبال نے اپنے معاشیات کے شوق کو ترک کر کے قوم پر ایک گونہ ظلم کیا ہے۔ اگر وہ معاشیات سے بھی اپنی دلچسپی برقرار رکھتے تو مسلمانوں میں ممتاز ماہرین معاشیات کا وہ فقدان نہ ہوتا، جو آج رونما ہے۔(۱۴)

'علم الاقتصاد' کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال نے اس مضمون کا مطالعہ کرنے میں خاصی عرق ریزی سے کام لیا تھا اور اس میں اس قدر دسترس حاصل کر لی تھی کہ وہ رائج الوقت نظریوں پر ناقدانہ نگاہ ڈال سکیں۔ مثلاً اس وقت کی مروّجہ کتابوں میں اُجرتوں کے متعلق یہ نظریہ تھا کہ اُجرتیں ایک مخصوص ذخیرہ سے ادا کی جاتی ہیں اور اگر اُجرتیں بڑھا دی جائیں تو یہ ذخیرہ کم ہو جائے گا

جس سے بالآخر مزدور متاثر ہوں گے۔ بیسویں صدی کے آغاز ہی میں اس نظریہ پر تنقید شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ اقبال نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۹ پر اس نظریہ کے خلاف امریکہ کے مشہور مصنف واکر کے دلائل پیش کئے ہیں جس سے ان کی وسعت نظر اور گہرے مطالعے کا پتہ چلتا ہے۔ یہ غالباً اس قسم کی تحریریں پڑھنے کا نتیجہ تھا جس نے بعد میں یہ شعری صورت اختیار کی:

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی

اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

نوجوانی کے عالم میں بھی اقبال کی وسعت نظر بنیادی مسائل تھی۔ مزدروں کی بہتری و خوشحالی اور قومی ترقی کے سلسلے میں ان سطور پر غور فرمایئے :

"مگر ہمارے نزدیک کمی اجرت کا مفید ترین نسخہ قومی تعلیم ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس سے دستکار کا ہنر، اس کی محنت کی کارکردگی اور اس کی ذہانت ترقی کرتی ہے، اس کے اخلاق سنورتے ہیں اور وہ اس قابل بنتا ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ تعلیم کی مدد سے دستکار اپنے کام کو سہولت کے ساتھ کر لینے کی راہیں سوچ سکتا ہے اور جدید کلوں کا استعمال جلد سیکھ سکتا ہے اور شراب خوری اور ہر قسم کی غلط کاری سے محفوظ رہتا ہے جو بالعموم جہالت اور ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہو اکرتی ہے۔"

آبادی کا مسئلہ آج کل دنیا کی مختلف حکومتوں اور ماہرین معاشیات کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ۱۹۰۱ء میں جب کہ ہندوستان کی آبادی صرف ۲۹ کروڑ ۴۰ لاکھ تھی اور آبادی کا مسئلہ کچھ ایسا تشویشناک نہ تھا۔ وہ اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اکثر قدیم قومیں ایک سے زیادہ بیویاں کرنا مستحسن تصور کرتی تھیں۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے اور کچھ یہ کہ ہر قبیلہ اپنے افراد کی تعداد کو زیادہ کرنا چاہتا تھا کہ اس سے جنگ و جدل میں جو تمدن کے ابتدائی مراحل کا خاصہ ہوتا ہے۔ دیگر قبائل پر غلبہ رہے۔ تاہم یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ اقتصادی لحاظ سے تعداد ازدواج تمدن کی ہر صورت میں مستحسن ہے۔ کیونکہ اس سے آبادی بہت بڑھتی ہے جو بسااوقات قوموں کے افلاس کا باعث ہوتی ہے۔"(۱۵)

مشفق خواجہ کی رائے میں:

"اقبال کا شمار ان معدودے چند مفکرین میں ہوتا ہے جن کی نظر ماضی اور حال پر ہی نہیں بلکہ مستقبل پر بھی بہت گہری تھی۔ انہوں نے مشرق و مغرب کے فلسفے اور ادبیات سے اپنا تعلق 'خوشہ چینی' اور 'زلہ ربائی' تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ تمام جدید و قدیم علوم کا گہر امطالعہ کر کے اپنا ایک مخصوص اندازِ نظر پیدا کیا۔"(۱۶)

اقبال نے اپنی شاعری میں ان خیالات کا اعادہ کیا کہ وہ اس روش کے سخت خلاف تھے کہ ہندوستان خام مواد کی منڈی ہو کر رہ جائے اور ہندوستان ایک ضرورت کی معمولی سے معمولی چیز بھی دوسرے ملکوں سے منگوائے۔ بانگ درا میں مندرجہ ذیل اشعار اقبال کے اس خیال کے آئینہ دار ہیں:

انتہا اس کی بھی ہے آخر خریدیں کب تلک

چھتریاں رومال مفلر پیرہن جاپان سے

اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی

آئیں گے غسال کابل سے کفن ایران سے(۱۷)

اقبال کے معاشی موقف کے بارے میں پہلی بات تو یہی جاننے والی تھی کہ وہ دولت اور تنظیم دولت کو افراد کے بلند اخلاقی و روحانی نصب العین کے تابع دیکھنا چاہتے ہیں۔ دوسری اہم بات جو مجھے یہاں بیان کرنی ہے یہ ہے کہ اقبال غریبی اور مفلسی کے بڑے دشمن تھے اور دل سے آرزومند تھے کہ جہاں تک ممکن ہو انسانوں کو اس خوفناک چنگل سے رہائی دلائی جائے۔ مشرق میں زیادہ اور مغرب میں کم ایسے بے شمار شاعر و ادیب اور مصلح و مفکر ہوگزرے ہیں جنہوں نے افلاس کو سراہا ہے اور اس کی برکتیں گنوائی ہیں۔ ان ارباب نظر میں سعدی اور شیکسپیئر بھی شامل ہیں۔ اقبال کے مزاج میں مشرقیت اور درویشی کا رنگ غالب تھا، مگر دولت اور افلاس کے معاملہ میں ان کی نظر، یوں کہنا چاہئے کہ نہایت سائنٹفک اور حقیقت پسند تھی۔ وہ اگرچہ دولت کو مقصود بالذات نہیں سمجھتے تاہم افلاس کے ساتھ کسی سمجھوتے کے لئے بھی تیار نہیں۔ وہ ان حضرات میں سے نہیں جو غریبی کی مضرتوں اور زہرناکیوں کے ساتھ اس کی 'فیض رسانیوں' کے بھی قائل ہوتے ہیں۔ افلاس ان کی نظر میں انسان کی شخصیت کا سب سے بڑا دشمن ہے لہذا اقبال اس کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔(۱۸)

علامہ اقبال کی سوچ کا رخ عیاں ہے، وہ مارکس اور اشتراکیت کا نام نہیں لیتے لیکن یہ طرز استدلال وہی ہے اور ان آرا کے تناظر میں مارکس، لینن اور سرمایہ و محنت کے موضوع پر لکھی گئی نظمیں ایک نئی جہت اختیار کر لیتی ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں علامہ کو اقتصادیات کے اس پہلو سے چنداں دلچسپی نہ رہی بلکہ عمر کے آخری دور میں تو وہ اس اندازِ نظر ہی کے مخالف ہو گئے تھے۔اس کی شہادت اس خط سے بھی ملتی ہے جو علامہ نے روزنامہ زمیندار لاہور میں چھپوایا تھا۔ہوا یہ کہ ۲۳ جون ۱۹۲۳ء کے اخبار میں ایک صاحب نے علامہ کی نظم 'خضر راہ' اور 'پیام مشرق' کی بعض منظومات کے مطالعے سے اقبال کو اشتراکی ثابت کیا۔علامہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور اس کی تردید میں یوں لکھا:

"بولشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کے مترادف ہے۔اس واسطے اس تحریر کی تردید میرا فرض ہے۔میں مسلمان ہوں۔میرا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ دلائل وبراہین پر مبنی ہے کہ انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین علاج قرآن مجید نے تجویز کیا ہے، اس میں شک نہیں کہ سرمایہ داری کی قوت جب حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لئے ایک قسم کی لعنت ہے، لیکن دنیا کو اس کے مضر اثرات سے نجات دلانے کا طریقہ یہ نہیں کہ معاشی نظام سے اس قوت کو خارج کر دیا جائے جیسا کہ بولشویک تجویز کرتے ہیں قرآن کریم نے اس قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھنے کے لئے قانون میراث اور زکوٰۃ وغیرہ کا نظام تجویز کیا ہے اور فطرت انسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی طریقہ قابل عمل بھی ہے۔روسی بالشویزم یورپ کی ناعاقبت اندیش اور خود غرض سرمایہ داروں کے خلاف زبردست رد عمل ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی سرمایہ داری اور روسی بالشویزم دونوں افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں۔اعتدال کی راہ وہی ہے جو قرآن حکیم نے ہمیں بتائی ہے۔مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اقتصادی پہلو کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ اس خاص اعتبار سے اسلام کتنی بڑی نعمت ہے اور مجھے یقین ہے کہ خود روسی قوم بھی اپنے موجودہ نظام کے نقائص تجربے سے معلوم کر کے کسی ایسے نظام کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جائے گی جس کے اصول اساسی یا تو خالص اسلامی ہوں گے یا ان سے ملتے جلتے ہوں گے۔(۱۹)

اس کتاب کے چھ حصے ہیں، مگر چھٹا حصہ کتاب کی سکیم سے باہر ہے۔مصنف نے خود لکھا ہے کہ اس نے اس کتاب کے پانچ حصوں میں معاشیات کو سائنس کے مضمون کے طور پر بیان کیا ہے۔اس لحاظ سے چھٹا حصہ ملخص ترجمہ کرتے ہوئے نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ علم الاقتصاد میں چھٹا حصہ نہیں ہے اور باقی کتاب کی ترتیب قریب قریب وہی ہے جو واکر کی پولیٹکل اکانومی کی ہے۔علامہ اقبال نے بھی علم الاقتصاد کو واکر کی پولیٹکل اکانومی کی طرح حصوں میں تقسیم کیاہے اور ہر حصہ کے اجزا کو ابواب کا نام دیا ہے۔علم الاقتصاد بھی پانچ حصوں پر مشتمل ہے اور اس کے ابواب بھی تقریباً وہی ہیں۔(۲۰)

اب علامہ اقبال کا آزاد ملخص ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"زرکاغذی کے پہلے موجد چین کے لوگ ہیں۔بارہویں صدی میں جب مشہور سیاح مارکوپولو نے چین کا سفر کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ وہاں ایک درخت کی چھال کا سکہ جاری ہے جو لین دین میں سونے چاندی کے سکوں کی طرح استعمال ہوتا ہے۔تیرہویں اور چودہویں صدی میں فارس اور جاپان کے حکمرانوں نے بھی چین کی تقلید کی لیکن یورپ کی اقوام نے اس کے استعمال کے فوائد صدیوں بعد محسوس کئے۔"(۲۱)

عمرانیات کے اساسی تصورات میں فرد اور جماعت یا فرد اور معاشرہ کا باہمی تعلق عمرانیات کا اہم موضوع ہے۔اقبال کی اس تصنیف میں اگرچہ یہ موضوع بالکل ضمنی اور ثانوی طور پر آتا ہے۔مگر جس انداز میں آیا ہے اس سے ذہن عمرانیات کے عضویاتی نظریہ (Organic Theory) کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔علم عمرانیات کے مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ نظریہ ہربرٹ اسپنسر کی علمی مساعی کا نتیجہ ہے۔ اقبال نے اسپنسر کی طرح عضویاتی قیاس (Organic Analogy) کو کام میں لاتے ہوئے لکھا ہے:

"بنی نوع انسان ایک بڑے جسم کی طرح ہیں کہ مختلف ممالک یا اقوام اس کے اعضاء ہیں جو اپنے اپنے مقررہ فرائض کی انجام دہی سے 'بنی آدم اعضائے یک دیگر اند' کا پورا مفہوم ظاہر کرتے ہیں اور اس طرح جسم کی پرورش اور تربیت (ترتیب) کرتے ہیں۔" (۲۲)

اس پر تو اکثر نقاد متفق ہیں کہ 'علم الاقتصاد' کسی ایک کتاب کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس میں مختلف انگریز مصنفین کے نظریات آگئے ہیں، لیکن مشفق خواجہ اور ڈاکٹر ملک حسن اختر نے دو خاص انگریز مصنفین کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔مشفق خواجہ نے الفریڈ مارشل کے اثرات کا اور ڈاکٹر ملک حسن اختر نے واکر کے اثرات کا حوالہ دیا ہے، مشفق خواجہ کا کہنا ہے کہ علامہ اقبال نے سب سے زیادہ فائدہ

جس کتاب سے اٹھایا، وہ الفریڈ مارشل کی کتاب Principles of Economics ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب علم معاشیات پر پہلی باضابطہ کتاب ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی اور علمی دنیا میں اس حد تک مقبول ہوئی کہ ۱۸۹۸ء تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔اس کی اس مقبولیت سے مشفق خواجہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ممکن ہے اس کتاب کی مقبولیت دیکھ کر ہی اقبال نے 'علم الاقتصاد' لکھنے کا ارادہ کیا ہو۔اس کا سب سے بڑا ثبوت وہ یہ بتاتے ہیں کہ "Principles of Economics" کے اثرات 'علم الاقتصاد' پر بہت زیادہ ہیں۔ اقبال نے اگرچہ مارشل کی کتاب کا لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں کیا لیکن مواد اسی کتاب سے لیا ہے۔ بعض جگہ اقبال نے مارشل کی کئی عبارتوں کا لفظی ترجمہ بھی کیا ہے۔ آگے چل کر مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

"...اقبال کا مارشل کی عہد آفرین کتاب سے اس حد تک متاثر ہونا ضروری تھا۔ اس کتاب سے استفادہ کئے بغیر وہ 'علم الاقتصاد' کو بہتر نہیں بنا سکتے تھے، لیکن مارشل کا حوالہ نہ دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"(۲۳)

علامہ اقبال کے نزدیک معیشت اور اخلاق ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں، اگر اخلاق اور معیشت متحد نہ ہوں تو معاشرے میں بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ چودھری مظفر حسین لکھتے ہیں کہ حکومت وقت کا فرض ہے کہ وہ تنظیم دولت کے لئے آئینی، قانونی اور تنظیمی طریقے اختیار کرے تا کہ معاشرے کے اندر تقلیل و کثرت و دولت کے اخلاقی مفاسد جنم نہ لینے پائیں۔ ہمارے ہاں امیر طبقہ امیر سے امیر تر ہے۔ دور غلامی کی طرح آج بھی غریبوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔انہیں ان کی محنت کے مطابق اجرت نہیں دی جاتی، نتیجتاً وہ جدید سہولتوں سے محروم ہیں۔امیر طبقہ بے تحاشا فضول خرچی کرتا ہے۔اہل محنت سے علامہ اقبال کو دلی ہمدردی ہے، وہ ان کی زبوں حالی پر نالاں ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ انہیں آسودگی اور خوشحالی نصیب ہو، معاشرہ انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا چاہتے تھے جس میں غریب کا معیار زندگی بلند کر کے اسے درمیانے طبقہ تک پہنچنے کی سہولتیں فراہم کی جائیں اور امیر کے ذرائع آمدنی کو محدود کر کے اسے درمیانہ طبقہ سے تجاوز کرنے سے روکا جائے۔علامہ اقبال جاگیردارانہ نظام کے شدت سے مخالف تھے۔انہیں ساہوکار، زمیندار اور کارخانہ دار کے مقابلے میں مزدور اور کاشتکار سے ہمیشہ ہمدردی رہی ہے۔اس ہمدردی کا اظہار اقبال نے اپنے بعد کے کلام (خضر راہ، پیام مشرق، جاوید نامہ) میں بھی کیا ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ دولت مزدور پیدا کرتا ہے لیکن مالک انہیں معاوضہ زکوٰۃ کی طرح دیتا ہے۔

'علم الاقتصاد' میں کئی دیگر معاشی مسائل پر بھی مختصراً روشنی ڈالی گئی، اگرچہ موجودہ دور میں علم معاشیات نے بہت زیادہ ترقی کر لی ہے لیکن بہت سے بنیادی مسائل آج بھی وہی ہیں جن کی نشاندہی اقبال نے کی ہے۔ یہ کتاب اقبال کے اقتصادی تصورات سمجھنے میں بہت مد ثابت ہو سکتی ہے۔بالخصوص وہ اقتصادی تصورات جو ایک حد کے بعد ملکی سیاست پر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں (اور ہوتے ہیں)۔ علامہ اقبال کے نزدیک معاشی ترقی کا راز قومی تعلیم میں مضمر ہے، 'تعلیم ہی سے دست کار کا ہنر اور فن'، اس کی محنت اور کارکردگی اور ذہانت ترقی کرتی ہے، اس کے اخلاق سنورتے ہیں۔

'علم الاقتصاد' میں بہت سی ایسی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، جو آج بھی مستعمل ہیں، اگرچہ ان میں سے بہت سی اصطلاحات متروک ہو گئی ہیں، تاہم معاشیات کا طالب علم ان سے ناواقف نہیں ہے ایسی بہت سی اصطلاحات کے مترادفات مشفق خواجہ نے اپنے مضمون میں پیش کئے ہیں۔ دیباچے میں علامہ اقبال اصطلاحات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"نئی علمی اصطلاحات کے وضع کرنے (کی) وقت کو ہر باذاق آدمی جانتا ہے، میں نے بعض اصطلاحات خود وضع کی ہیں اور بعض مصر کی عربی اخباروں سے لی ہیں جو زمانہ حال کی عربی زبان میں آج کل متداول ہیں، جہاں جہاں کسی اردو لفظ کو اپنی طرف سے کوئی نیا مفہوم دیا ہے ساتھ ہی اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔"(۲۴)

معاشیات کی فکری اور نفسی بنیاد کے متعلق علامہ نے جو رائے ظاہر کی ہے وہ نہایت اہم ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ :

"علاوہ اور باتوں کے ماہرین علم الاقتصاد کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اپنے علم کی بنیاد انسانی فطرت کے صحیح اصولوں پر قائم کریں ورنہ ان کو صحیح اور کلی نتائج کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ خصوصاً اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ انسان بالطبع خود غرض ہے یا اس کی فطرت قدرتاً وصف امتیاز سے کلی طور پر مبرا ہے اور اس ابتدائی اصول کو اقتصادی استدلال کی بنیاد قرار دیا جائے تو ظاہر ہے کہ تمام استدلال جو اس اصول پر مبنی ہوں گے غلط سمجھے جائیں گے کیونکہ حقیقتاً انسانی فطرت اس قسم کی نہیں ہے بلکہ خود غرضی

اور ایثار دونوں سے مرکب ہے۔ اگر کسی قوم میں علم الاقتصاد کے ایسے اصول مروج ہو جائیں جو اس قسم کے غلط مشاہدے پر مبنی ہوں تو وہ قوم ایک دو صدیوں کے عرصے میں ہی ایک حیرت ناک تنزل کرے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قوم کے ہر فعل میں بے جا خود غرضی اور زرپرستی کی بو آئے گی جو اس کو کسی نہ کسی دن حقیقی ذلت میں گرا کر چھوڑے گی۔"(۲۵)

پوری کتاب پانچ حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ پہلا حصہ جیسا کہ ہم نے عرض کیا علم الاقتصاد کی حقیقت کے متعلق ہے۔ دوسرا حصہ پیدائش دولت کے مسائل پر مشتمل ہے اور اس میں چار ابواب ہیں، جن میں مسئلہ قدر، بین الاقوامی تجارت، زر نقد، حق الضرب، زر کاغذی اور اعتبار سے بحث کی گئی ہے۔ چوتھا حصہ تقسیم پیداوار سے متعلق ہے اور اس میں بھی چھ باب ہیں جن کے موضوعات لگان، سود، منافع، اُجرت، مقابلہ نامکمل اور مال گزاری ہیں۔ آخری حصہ آبادی، جدید ضروریات اور صرف دولت کے مباحث کے لئے وقف ہے۔ اس نئے ایڈیشن میں ڈاکٹر انور اقبال قریشی کا مقدمہ اور جناب ممتاز حسن صاحب کا پیش لفظ بھی شامل ہے جن میں کتاب کی خصوصیات اور اقبال کی معاشی فکر کے اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے جو ان اصطلاحات کے انگریزی مترادفات پر مشتمل ہے جو کتاب میں استعمال کی گئی ہیں۔ پوری کتاب پر وضاحتی حواشی کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے جن کی وجہ سے زمانی بعد بڑی حد تک دور ہو گیا ہے۔ اقبال کی اس اوّلین تصنیف کی اشاعت ثانی کا کام انجام دے کر اقبال اکیڈمی نے اپنا ایک اہم فرض ادا کیا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کی اور اقبال کی دوسری تحریرات نظم و نثر کی روشنی میں اقبال کے معاشی تصورات کو کتابی شکل میں مرتب کیا جائے تا کہ فکر اقبال کا یہ گوشہ بھی طالبان علم کے سامنے آسکے۔(۲۶)

حوالہ جات

(۱) محمد اقبال، علم الاقتصادپنجابی روپ، دیباچہ مصنف، پنجابی روپ از شریف کنجاہی، بزم اقبال، لاہور، جولائی ۱۹۷۸ئ، ص۱۶

(۲) ایضاً، ص۵

(۳) صدیق جاوید(مؤلف)، علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ ، دیباچہ ، اُردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ئ، ص۱۱

(۴) ایضاً، ص۱۴

(۵) ایضاً، ص۱۸۔۱۹

(۶) ممتاز حسن، پیش لفظ علم الاقتصاد، مشمولہ ، علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ ، اُردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ئ، ص۲۳

(۷) ایضاً، ص۲۵

(۸) ایضاً، ص۲۵۔۲۶

(۹) علامہ اقبال، خضر راہ، مشمولہ بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص

(۱۰) علامہ اقبال، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص

(۱۱) علامہ اقبال، جاوید نامہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص

(۱۲) ممتاز حسن، پیش لفظ علم الاقتصاد، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ ، اُردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ئ، ص۲۸۔۲۹

(۱۳) انور اقبال قریشی، مقدمہ علم الاقتصاد، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ ، اُردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ئ، ص۳۲

(۱۴) ایضاً، ص۳۳

(۱۵) ایضاً، ص۳۷۔۳۵

(۱۶) مشفق خواجہ، اقبال کا پہلاعلمی کارنامہ علم الاقتصاد، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ ، اُردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ئ، ص۴۰

(۱۷) علامہ اقبال، بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ...، ص...

(۱۸) پروفیسر محمد عثمان، اقبال کی علم الاقتصاد، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ ، اُردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ئ، ص۸۳

(۱۹) ڈاکٹر سلیم اختر، علم الاقتصاد (تجزیاتی مطالعہ)، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ ، اُردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ئ، ص۱۱۲۔۱۱۱

(۲۰) ڈاکٹر حسن اختر، علم الاقتصاد، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ ، اُردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ئ، ص۱۲۳

(۲۱) محمد اقبال، علم الاقتصاد جس کا معروف نام علم سیاست مدن ہے، مشمولہ ، علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ ، اُردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ئ، ص۱۲۸

(۲۲) ڈاکٹر صدیق جاوید، علم الاقتصاد: ایک عمرانی مطالعہ، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ ، اُردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ئ، ص۱۵۴۔۱۵۵

(۲۳) زیب النسائ، علم الاقتصاد، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ ، اُردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ئ، ص۱۸۶۔۱۸۷

(۲۴) ایضاً، ص۱۹۱۔۱۹۳

(۲۵) اقبال ریویو، کراچی، جنوری ۱۹۶۲ئ، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ ، اُردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ئ، ص۲۲۶

(۲۶) ایضاً، ص۲۲۷